Journal of Religion & Society **(JR&S)**
Available Online:
https://islamicreligious.com/index.php/Journal/index
Print ISSN: 3006-1296Online ISSN: 3006-130X
Platform & Workflow by: Open Journal Systems

Qur'anic Hermeneutics in Pashto Sufi Literature: Analytical Insights from Rahman Baba

پشتو صوفی ادب میں قرآنی ہرمی نیوٹکس (علمِ تفسیر) کی جھلکیاں: رحمان بابا کے فکر و کلام کا تجزیاتی جائزہ

Sohni Malik
MS Scholar, Department of Islamic Studies, HITEC University Taxila
sohnimalikkhan7@gmail.com

Abstract
This study examines Qur'anic hermeneutics in Pashto Sufi literature through an analytical reading of the poetry of Rahman Baba (d.1711). It explores how Qur'anic meanings are interpreted and rearticulated within a vernacular mystical tradition, highlighting their role in shaping spiritual and intellectual discourse. The research employs a qualitative and interpretive methodology, analyzing selected Qur'anic themes reflected in Rahman Baba's verses in light of classical exegetical insights. The study argues that Rahman Baba presents a distinctive hermeneutical approach grounded in Sufi epistemology. His poetry reveals a strong intertextual relationship with the Qur'an, particularly in themes such as tawḥīd (Divine Unity), moral purification, divine love, and awareness of the Hereafter. Rather than engaging in formal exegesis, he adopts a symbolic and experiential mode of interpretation that emphasizes inner transformation and spiritual realization. Furthermore, the paper demonstrates that Rahman Baba's interpretive style, while resonating with classical Sufi tafsīr, reflects a unique cultural and linguistic expression of the Pashto context. His work illustrates how Qur'anic teachings can be meaningfully localized without losing their universal significance. The study concludes that Pashto Sufi poetry represents an important yet underexplored dimension of Qur'anic interpretation, contributing to broader discussions on hermeneutics and the diversity of interpretive traditions within Islam.

Keywords: Qur'anic Hermeneutics, Pashto Sufi Literature, Rahman Baba, Tafsīr.

تمہید

قرآنِ مجید اسلامی فکر و تہذیب کا بنیادی سرچشمہ ہے، جس کی تعبیر و تفہیم کا عمل ہر دور میں مختلف علمی، فکری اور روحانی زاویوں سے جاری رہا ہے۔ اس تعبیراتی روایت میں جہاں مفسرین نے اصولی اور منہجی بنیادوں پر قرآن کی توضیح کی، وہیں صوفیاء کرام نے اپنے باطنی ذوق اور روحانی تجربے کی روشنی میں قرآنی معانی کو ایک خاص انداز سے پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ ادب، خصوصاً شاعری، قرآنی تعلیمات کی تفہیم و ترسیل کا ایک مؤثر ذریعہ بن کر سامنے آیا، جس میں ظاہری مفاہیم کے ساتھ ساتھ باطنی اور اخلاقی پہلوؤں کو بھی نمایاں کیا گیا۔ پشتو صوفی ادب میں رحمان بابا کا مقام نہایت بلند ہے۔ ان کے کلام میں قرآنی آیات اور تعلیمات کی جھلک نہ صرف فکری سطح پر نظر آتی ہے بلکہ ایک زندہ روحانی تجربے کے طور پر بھی جلوہ گر ہوتی ہے۔ رحمان بابا نے اپنے اشعار میں توحید، اخلاقی تزکیہ، محبتِ

الٰہی اور آخرت کے شعور جیسے بنیادی قرآنی موضوعات کو نہایت سادہ مگر مؤثر اسلوب میں بیان کیا ہے، جس سے عام قاری بھی قرآنی پیغام سے قریب ہو جاتا ہے۔ زیرِ نظر مقالہ پشتو صوفی ادب میں قرآنی تعبیرات کے مطالعہ کے ضمن میں رحمان بابا کے کلام کا تجزیاتی جائزہ پیش کرتا ہے۔ اس کا مقصد یہ واضح کرنا ہے کہ رحمان بابا کا اسلوبِ تعبیر کس حد تک قرآنی مفاہیم سے ہم آہنگ ہے اور وہ کس طرح قرآنی پیغام کو ایک صوفیانہ اور تجرباتی رنگ میں ڈھال کر پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں، یہ تحقیق اس امر کو بھی اجاگر کرتی ہے کہ صوفیانہ شاعری محض ادبی اظہار نہیں بلکہ قرآنی فکر کی اشاعت اور اس کے باطنی پہلوؤں کی تفہیم کا ایک اہم ذریعہ ہے۔

اس مطالعہ کے ذریعے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رحمان بابا کا کلام قرآنی تعبیر کی ایک منفرد صورت پیش کرتا ہے، جس میں آفاقی پیغام کو مقامی زبان و ثقافت کے قالب میں ڈھال کر عام فہم اور مؤثر بنایا گیا ہے۔ یوں یہ مقالہ نہ صرف قرآنی علوم کے دائرہ کار کو وسعت دیتا ہے بلکہ صوفیانہ ادب کی علمی اہمیت کو بھی نمایاں کرتا ہے۔ یہ امر بھی قابلِ توجہ ہے کہ صوفیانہ تعبیرِ قرآن محض ذوقی یا وجدانی کیفیت کا اظہار نہیں، بلکہ اس کے پسِ منظر میں ایک باقاعدہ فکری و روحانی نظام کارفرما ہوتا ہے، جس کی جڑیں اسلامی عقائد، اخلاقیات اور سلوکی منازل میں پیوست ہوتی ہیں۔ صوفیاء کے ہاں قرآنِ مجید کی تفہیم کا دائرہ ظاہر و باطن دونوں کو محیط ہوتا ہے، جہاں الفاظ کے ظاہری معانی کے ساتھ ساتھ ان کے اشاراتی اور رمزی پہلوؤں کو بھی اہمیت دی جاتی ہے۔ اسی تناظر میں صوفیانہ شاعری کو ایک ایسی تعبیراتی روایت کے طور پر دیکھا جا سکتا ہے جو رسمی تفسیر سے ہٹ کر، مگر اس سے متصادم ہوئے بغیر، قرآنی پیغام کو قلبی و روحانی سطح پر مؤثر بناتی ہے۔

پشتو صوفی ادب کی روایت میں رحمان بابا کا کلام اس جہت سے خاص اہمیت رکھتا ہے کہ وہ قرآنی تعلیمات کو نہایت سادہ، عام فہم اور اثر انگیز پیرائے میں پیش کرتے ہیں۔ ان کے ہاں قرآنی آیات کا براہِ راست اقتباس کم سہی، لیکن مفاہیم اور مضامین کی عکاسی بھرپور انداز میں موجود ہے، جو اس بات کی دلیل ہے کہ ان کا فکری سرمایہ قرآنِ مجید سے گہرا ربط رکھتا ہے۔ ان کے اشعار میں انسانی نفس کی اصلاح، دنیا کی ناپائیداری، محبتِ الٰہی کی مرکزیت، اور آخرت کی جوابدہی جیسے موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں، جو دراصل قرآنی فکر کی ہی توسیع ہیں۔

اس تحقیق میں اس پہلو کو خاص طور پر زیرِ بحث لایا جائے گا کہ رحمان بابا کے کلام میں قرآنی مفاہیم کس نوعیت کے اسلوب کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں۔ آیا یہ تعبیر براہِ راست تفسیری انداز اختیار کرتی ہے، یا پھر تمثیل، استعارہ اور علامت کے ذریعے ایک باطنی پیغام کی تشکیل کرتی ہے؟ نیز یہ بھی دیکھا جائے گا کہ ان کا یہ طرزِ تعبیر کلاسیکی صوفیانہ تفاسیر سے کس حد تک ہم آہنگ ہے اور کن پہلوؤں میں اپنی انفرادیت کا اظہار کرتا ہے۔ مزید یہ کہ یہ مطالعہ قرآنی ہرمنیوٹکس (Hermeneutics) کے معاصر مباحث سے بھی ایک ربط پیدا کرتا ہے، جس میں متن، قاری اور سیاق کے باہمی تعلق کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ رحمان بابا کا کلام اس حوالے سے ایک دلچسپ مثال فراہم کرتا ہے کہ کس طرح ایک صوفی شاعر قرآنی متن کو اپنے روحانی تجربے، ثقافتی پس منظر اور لسانی اسلوب کے ساتھ ہم آہنگ کر کے ایک نئی تعبیراتی جہت پیدا کرتا ہے۔ اس طرح ان کا کلام نہ صرف قرآنی پیغام کی تشریح کرتا ہے بلکہ اسے ایک زندہ اور

متحرک روحانی تجربہ بنا دیتا ہے۔ آخر میں، یہ تحقیق اس نتیجے تک پہنچنے کی کوشش کرتی ہے کہ پشتو صوفی شاعری، بالخصوص رحمان بابا کا کلام، قرآنی تعبیر کے ایک ایسے اہم مگر نسبتاً کم توجہ پانے والے پہلو کی نمائندگی کرتا ہے، جسے علمی و تحقیقی سطح پر مزید اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔ اس سے نہ صرف قرآنی علوم میں نئی جہات سامنے آسکتی ہیں بلکہ اسلامی فکری روایت میں صوفیانہ ادب کے کردار کو بھی بہتر طور پر سمجھا جاسکتا ہے۔

تعارفِ شخصیت

رحمان بابا کا اصل نام عبدالرحمن تھا، جبکہ ان کے والد کا نام عبد الستار خان بیان کیا جاتا ہے۔ ان کا تعلق مہمند قبیلے کی شاخ غوریاخیل سڑبند سے تھا۔ [i] ان کی پیدائش پشاور کے نواحی علاقے بہادر کلی میں ہوئی، جہاں اس دور میں علمی اور صوفیانہ سرگرمیوں کا خاصا اثر پایا جاتا تھا۔ اپنی زندگی کا بڑا حصہ انہوں نے ہزارخوانی کے علاقے میں گزارا، اور وہیں ان کا انتقال ہوا اور تدفین بھی اسی مقام پر عمل میں آئی۔ رحمان بابا کی تاریخِ پیدائش اور وفات کے حوالے سے مؤرخین کے درمیان مکمل اتفاق نہیں ملتا، جس کی ایک بڑی وجہ اس دور میں باقاعدہ تاریخی اندراج کا فقدان ہے۔ تاہم مختلف تاریخی و ادبی مصادر کی روشنی میں ایک عمومی اندازہ قائم کیا گیا ہے۔ اکثر اہلِ تحقیق کے مطابق ان کی ولادت تقریباً 1042ھ / 1632ء کے قریب ہوئی، جب کہ ان کی وفات 1126ھ / 1715ء کے لگ بھگ مانی جاتی ہے۔[ii]

ان کی شخصیت اور کلام سے یہ واضح ہوتا ہے کہ وہ سترہویں صدی کے ایک ایسے صوفی شاعر تھے جنہوں نے اپنے دور کے فکری اور روحانی ماحول سے گہرا اثر قبول کیا۔ ان کا مزار پشاور میں واقع ہے، جو آج بھی عقیدت مندوں اور اہلِ علم کے لیے مرکزِ توجہ ہے۔ تاہم یہ امر قابلِ افسوس ہے کہ ان کی زندگی کے حالات پوری طرح محفوظ نہ رہ سکے، اور آج بھی ان کی ولادت و وفات کی درست تواریخ کے حوالے سے حتمی اتفاقِ رائے سامنے نہیں آسکا۔ مؤرخین کی آراء سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ رحمان بابا ایک معزز، باوقار اور سماجی طور پر معتبر خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ بعض محققین نے ان کا نسب "ارباب" خاندان سے جوڑا ہے، جو اس خطے میں اثر و رسوخ اور وجاہت کے اعتبار سے نمایاں مقام رکھتا تھا۔ اس خاندانی وقار کی جھلک نہ صرف تاریخی روایات میں ملتی ہے بلکہ اس دور کے ادبی سرمائے میں بھی واضح طور پر دکھائی دیتی ہے۔ خصوصاً ان کے معاصر نامور شاعر عبدالقادر خان خٹک نے اپنے اشعار میں نہایت بلیغ اور دلنشین اسلوب کے ساتھ رحمان بابا کے خاندانی شرف اور سماجی مرتبے کو اجاگر کیا ہے۔ انہوں نے شاعرانہ انداز میں اس حقیقت کی ترجمانی کی کہ رحمان بابا ایک ایسے خاندان سے وابستہ تھے جسے اپنے عہد میں عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ ان کے اشعار نہ صرف رحمان بابا کی ذاتی خوبیوں کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ ان کے خاندانی مقام اور سماجی حیثیت کو بھی نمایاں کرتے ہیں۔ مزید یہ کہ ان ادبی شواہد سے یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ رحمان بابا کا تعلق ایک ایسے قبائلی اور روایتی پس منظر سے تھا جو شرافت، خودداری اور اقدارِ عالیہ کا حامل تھا۔

یہی اوصاف ان کی شخصیت اور کلام دونوں میں جھلکتے ہیں[iii]۔ اس طرح عبد القادر خان خٹک کی شاعری ایک اہم تاریخی و ادبی شہادت کے طور پر سامنے آتی ہے، جو رحمان بابا کے خاندانی پس منظر اور ان کے سماجی مقام کو مزید واضح اور مستحکم بناتی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

زه خټک د یارپه غم تازه تازه شم

غوریه خیل رحمان که شو ورحئے سټړے[iv]

"مجھ خٹک کو غم یار یار سے فرحت ملتی ہے، جبکہ رحمان بابا غوریہ خیل اس سے نالاں ہیں"۔

قرآنی ہرمنیوٹکس (Hermeneutics) کا نظریاتی پس منظر

قرآنی متن کی تفہیم ایک ایسا علمی و فکری عمل ہے جو صرف لغوی معنی تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس میں معنی کی تہہ داری، سیاق و سباق، قاری کے فکری پس منظر اور روحانی تجربے جیسے عوامل بھی شامل ہوتے ہیں۔ اسی مجموعی فکری عمل کو جدید علمی اصطلاح میں **ہرمنیوٹکس (Hermeneutics)** کہا جاتا ہے۔ اسلامی علمی روایت میں اگرچہ یہ اصطلاح جدید ہے، لیکن اس کے بنیادی مباحث تفسیر، تاویل اور تدبر کی صورت میں صدیوں سے موجود ہیں۔ ہرمنیوٹکس دراصل متن کی تعبیر و تشریح کے اصولوں اور طریقوں کا علم ہے، یعنی کسی بھی متن کے معنی کو اس کے تاریخی، لسانی اور فکری پس منظر میں سمجھنے کا عمل۔ اسلامی تناظر میں اس کا اطلاق قرآنِ مجید کی تفہیم پر ہوتا ہے، جہاں متنِ قرآن کو صرف ظاہری الفاظ کے بجائے اس کے مقصد، حکمت اور ہدایت کے جامع نظام کے طور پر سمجھا جاتا ہے۔ اسلامی فکر میں یہ تصور بنیادی طور پر "تدبر"، "تفکر" اور "تأمل" جیسے قرآنی اصطلاحی تصورات سے ہم آہنگ ہے۔ قرآنِ مجید خود غور و فکر اور تدبر کی دعوت دیتا ہے، جس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کی تفہیم ایک جامد عمل نہیں بلکہ مسلسل فکری جدوجہد کا تقاضا کرتی ہے۔ اس پس منظر میں قرآنی ہرمنیوٹکس کو ایک ایسا علمی فریم ورک سمجھا جا سکتا ہے جو متن، قاری اور معنی کے درمیان تعلق کو واضح کرتا ہے۔[v]

تفسیر اور تاویل میں فرق

اسلامی علمی روایت میں تفسیر اور تاویل دو اہم اصطلاحات ہیں جنھیں اکثر ایک دوسرے کے مترادف سمجھ لیا جاتا ہے، حالانکہ ان میں واضح فرق پایا جاتا ہے۔ **تفسیر** سے مراد قرآنِ مجید کے ظاہری اور لغوی معانی کی وضاحت ہے، جس میں آیات کے الفاظ، اسبابِ نزول، لغت اور سیاق و سباق کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ یہ ایک نسبتاً واضح اور منظم علمی عمل ہے جس کا مقصد متن کے بنیادی معنی کو بیان کرنا ہوتا ہے۔[vi] اس کے برعکس تاویل ایک گہرا اور باطنی عمل ہے جس میں آیت کے ممکنہ اشاراتی، معنوی اور روحانی پہلوؤں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔ تاویل میں معنی کی وسعت اور متعدد جہات کو سامنے رکھا جاتا ہے، اور یہ عمل زیادہ تر اہلِ علم اور صوفیانہ فکر سے وابستہ ہوتا ہے۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ تفسیر متن کے "ظاہر" کو واضح کرتی ہے، جبکہ تاویل اس کے "باطن" اور معنوی عمق کو دریافت کرنے کی کوشش کرتی ہے۔[vii]

صوفیانہ تفسیر کا منہج

صوفیانہ تفسیر اسلامی فکری روایت میں ایک منفرد منہج رکھتی ہے، جس میں قرآنِ مجید کو محض قانونی یا لغوی متن کے طور پر نہیں بلکہ ایک روحانی ہدایت نامہ کے طور پر دیکھا جاتا ہے۔ صوفیہ کے نزدیک قرآن کا اصل مقصد انسان کے باطن کی اصلاح اور روحانی تطہیر ہے۔ اس منہج میں علامت، استعارہ اور اشاریہ (symbolism) کو خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ صوفی مفسرین آیات کے ظاہری معنی کو برقرار رکھتے ہوئے ان سے روحانی اور اخلاقی نتائج اخذ کرتے ہیں۔ اس انداز میں قرآن ایک "زندہ تجربہ" بن جاتا ہے جو قاری کے دل و دماغ دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ رحمان بابا جیسے صوفی شعرا اسی منہج کی نمائندگی کرتے ہیں، جہاں قرآنی مفاہیم کو شاعرانہ اور وجدانی اسلوب میں پیش کیا جاتا ہے۔[viii]

کلاسیکی مفسرین اور صوفیہ کا تقابل

کلاسیکی مفسرین اور صوفیہ کے مناہجِ تفسیر میں بنیادی فرق ان کے زاویۂ نظر اور مقصد میں پایا جاتا ہے۔ کلاسیکی مفسرین جیسے کہ مفسرینِ حدیث و فقہ، قرآن کی تفسیر میں لغوی اصول، روایات، اسبابِ نزول اور اصولِ فقہ کو بنیاد بناتے ہیں۔ ان کا مقصد متن کے معروضی اور مستند معنی کو متعین کرنا ہوتا ہے تاکہ شریعت کے احکام واضح ہو سکیں۔ اس کے برعکس صوفیہ کا زاویۂ نظر زیادہ تر باطنی، اخلاقی اور روحانی ہوتا ہے۔ وہ قرآن کو ایک ایسے متن کے طور پر دیکھتے ہیں جو انسان کے باطن کو بدلنے اور اسے خدا کے قریب کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس لیے ان کی تعبیر میں وجد، تجربہ اور روحانی کیفیت کو مرکزی حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ تاہم یہ دونوں مناہج ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے بلکہ ایک ہی حقیقت کے مختلف پہلوؤں کو ظاہر کرتے ہیں۔ کلاسیکی تفسیر "علمی وضاحت" فراہم کرتی ہے جبکہ صوفیانہ تعبیر "روحانی بصیرت" عطا کرتی ہے۔ یوں دونوں مل کر قرآنی ہرمنیوٹکس کے جامع فکری دائرے کو مکمل کرتے ہیں۔[ix]

پشتو صوفی ادب اور قرآنی اثرات

پشتو صوفی ادب برصغیر کی اسلامی فکری روایت کا ایک اہم اور منفرد حصہ ہے، جس میں روحانی تجربہ، اخلاقی تعلیمات اور دینی شعور کو شعری پیرائے میں بیان کیا گیا ہے۔ اس ادب کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ اس نے مقامی زبان اور ثقافت کو استعمال کرتے ہوئے قرآنی تعلیمات کو عام فہم اور اثر انگیز انداز میں پیش کیا۔ اس تناظر میں صوفی شعرا نے قرآنِ مجید کو محض ایک مذہبی متن کے طور پر نہیں بلکہ ایک زندہ فکری و روحانی رہنما کے طور پر اپنایا۔ پشتو صوفی شاعری کی روایت کئی صدیوں پر محیط ہے، جس میں عشقِ الٰہی، تزکیۂ نفس، اخلاقی اصلاح اور دنیا کی ناپائیداری جیسے موضوعات مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس روایت میں رحمان بابا کو ایک نمایاں اور مرکزی مقام حاصل ہے۔ ان کی شاعری سادگی، معنویت اور روحانی گہرائی کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ پشتو صوفی شعرا نے شاعری کو صرف ادبی اظہار کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اسے روحانی تربیت اور اخلاقی اصلاح کا وسیلہ قرار دیا۔ ان کے ہاں لفظی خوبصورتی سے زیادہ معنوی تاثیر کو اہمیت حاصل ہے، جو قاری کے دل و دماغ پر گہرا اثر ڈالتی ہے۔

قرآن سے تعلق کی نوعیت

پشتو صوفی ادب کا قرآنِ مجید سے تعلق براہِ راست اقتباس کے ساتھ ساتھ معنوی اور فکری سطح پر بھی قائم ہے۔ صوفی شعرا نے قرآنی آیات کو اپنے اشعار میں کبھی براہِ راست، اور کبھی مفہومی انداز میں شامل کیا ہے۔ اس تعلق کی بنیادی نوعیت "تاثر (influence) " اور "تعبیر (interpretation) " پر مبنی ہے۔ رحمان بابا کے کلام میں توحید، اخلاق، صبر، شکر، محبتِ الٰہی اور آخرت جیسے قرآنی موضوعات بار بار سامنے آتے ہیں۔ وہ قرآنی پیغام کو ایک ایسے اسلوب میں بیان کرتے ہیں جو عام قاری کے لیے بھی قابلِ فہم ہو اور روحانی اثر رکھتا ہو۔ اس طرح ان کا کلام قرآن کے فکری اور اخلاقی نظام کی ایک ادبی توسیع بن جاتا ہے۔

زبان، ثقافت اور مذہبی فکر کا امتزاج

پشتو صوفی ادب کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ اس میں زبان، ثقافت اور مذہبی فکر ایک دوسرے کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر سامنے آتے ہیں۔ پشتو زبان کی سادگی اور فطری اظہار نے قرآنی تعلیمات کو مقامی ثقافتی ماحول میں اس طرح ڈھالا کہ وہ عوامی شعور کا حصہ بن گئیں۔ اس امتزاج میں مذہبی فکر محض نظریاتی سطح تک محدود نہیں رہتی بلکہ روزمرہ زندگی، اخلاقی رویوں اور سماجی اقدار میں بھی جھلکتی ہے۔ صوفی شعرا نے مقامی ثقافت کے استعاروں، محاوروں اور علامتوں کے ذریعے قرآنی پیغام کو مزید مؤثر بنایا۔ یوں پشتو صوفی ادب ایک ایسا فکری و روحانی پل بن جاتا ہے جو آفاقی اسلامی تعلیمات اور مقامی ثقافتی اظہار کے درمیان ربط قائم کرتا ہے۔ اس تناظر میں رحمان بابا کا کلام نہ صرف ایک ادبی سرمایہ ہے بلکہ قرآنی فکر کے ثقافتی انطباق (cultural adaptation) کی ایک نمایاں مثال بھی ہے۔

رحمان بابا کے کلام میں توحید قرآنی تعبیر

رحمان بابا کے اشعار میں کائنات کا پورا نظام، فطرت کے مناظر اور انسانی زندگی کی کمزوری اور فنا پذیری کو اس انداز سے بیان کیا گیا ہے کہ قاری محض خارجی مشاہدے تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے اندر ایک گہرا فکری اور روحانی رجحان پیدا ہو جاتا ہے۔ ان کی شاعری کا بنیادی رجحان یہ ہے کہ وہ مظاہرِ فطرت کو محض بیان نہیں کرتے بلکہ انہیں ایک علامت کے طور پر استعمال کرتے ہوئے انسان کو اس کے خالق کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔ اس عمل میں ان کا اسلوب منطقی بحث یا فلسفیانہ مناظرے کی بجائے ایک داخلی احساس اور وجدانی کیفیت پر مبنی ہوتا ہے، جس کے ذریعے قاری کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، قدرت اور حسن کا شعور بیدار ہوتا ہے۔

رحمان بابا کے درج ذیل شعر میں یہی فکری و روحانی جہت نمایاں ہے:

"خوک چې ستا د قدرت مثال به څه کړي؟ بې مثاله يې، بې شريکه يې ته يار ه[x]"

اس شعر میں شاعر نہایت سادہ مگر گہرے اسلوب میں اللہ تعالیٰ کی یکتائی اور بے مثال ہونے کو بیان کرتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ خدا کی ذات نہ کسی مثال کی محتاج ہے اور نہ کسی شریک کی، بلکہ وہ ہر قسم کی تشبیہ اور مماثلت سے بالاتر ہے۔ یہاں شاعر کا مقصد

محض تعریف نہیں بلکہ قاری کے اندر توحید کا شعور راسخ کرنا ہے، تاکہ وہ ہر شے میں اسی واحد خالق کی قدرت کو محسوس کرے۔ یہ شعری اظہار درحقیقت قرآنِ مجید کے اس بنیادی عقیدے کی عملی جھلک ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بے مثالی اور وحدانیت کو واضح کیا گیا ہے:

"لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ"[xi]

یعنی "اس جیسی کوئی چیز نہیں، اور وہی سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔"

اس آیت کی روشنی میں دیکھا جائے تو رحمان بابا کا شعر محض ادبی اظہار نہیں بلکہ قرآنی تصورِ توحید کی ایک صوفیانہ تعبیر ہے، جس میں عقیدہ ایک فکری نظریے سے بڑھ کر ایک دل میں اترنے والا روحانی احساس بن جاتا ہے۔ رحمان بابا اپنے قارئین کو توحید کا مفہوم بتاتے ہوئے کہتے ہیں:

ته بې نیازه یې، د هیچا محتاج نه یې   ټول جهان په تا قائم دی، ته قائم نه یې په بل[xii]

رحمان بابا کے اس شعر میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ قیومیت کو نہایت سادہ مگر گہرے صوفیانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ شاعر اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات کے اعتبار سے مکمل طور پر بے نیاز ہے، یعنی وہ کسی بھی مخلوق، سبب یا سہارے کا محتاج نہیں۔ اس کے برعکس پوری کائنات اپنے وجود، بقا اور نظامِ حیات میں اسی کی محتاج ہے۔ اس طرح وہ ایک طرف خالق کی مطلق بے نیازی کو ظاہر کرتے ہیں اور دوسری طرف مخلوق کے مکمل انحصار کو نمایاں کرتے ہیں۔

اس شعر کا مرکزی مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نہ صرف کائنات کا خالق ہے بلکہ وہی اس کو قائم رکھنے والا بھی ہے۔ کائنات کا ہر نظام، ہر حرکت اور ہر تسلسل اسی کے حکم اور قدرت سے جاری ہے۔ انسان سمیت ہر شے اپنی بقا کے لیے اسی کی محتاج ہے، جبکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر احتیاج سے پاک ہے۔ یہی وہ حقیقت ہے جسے شاعر نے "بے نیازہ یې" اور "ټول جهان په تا قائم دی" کے الفاظ میں انتہائی بلیغ انداز سے پیش کیا ہے۔ یہ شعری تعبیر دراصل قرآنِ مجید کی صفتِ "الْقَيُّومُ" کی وجدانی تفسیر ہے، جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود قائم بالذات ہے اور تمام موجودات کو قائم رکھنے والا ہے۔ اس قرآنی تصور کے مطابق نہ تو اللہ تعالیٰ کو کسی سہارے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کائنات اس کے بغیر قائم رہ سکتی ہے۔ رحمان بابا کا اسلوب اس قرآنی حقیقت کو محض عقلی سطح پر بیان نہیں کرتا بلکہ اسے ایک روحانی تجربے میں ڈھال دیتا ہے، جس سے قاری کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت، بے نیازی اور ربوبیت کا گہرا شعور پیدا ہوتا ہے۔[xiii]

کلام رحمان بابا میں رسالت مآب ﷺ کا تصور

رحمان بابا کے کلام میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت اور نبوت کی اہمیت کو ایسے انداز میں بیان کیا گیا ہے جو قرآنی تعلیمات کی عکاسی کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:

خدای یې مه ګڼه بېشکه چې بنده دی   نور یې کل واړه صفات دي په ربتیا

که نبي دی، که ولي دی که عاصي دی　　　محمد دی د همه واړو پېشوا
چې يې دين د محمد دی قبول کړی　　　حبشي دی، که فاسق دی که پارسا[xiv]

رحمان بابا کے ان اشعار میں عشقِ رسول ﷺ کو ایک ایسے جامع فکری اور روحانی تصور کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو عقیدۂ ختمِ نبوت اور رسالتِ محمدی ﷺ کی نورانی حیثیت سے گہرا تعلق رکھتا ہے۔ ان کے ہاں محبتِ رسول ﷺ محض جذباتی وابستگی نہیں بلکہ ایمان کی بنیاد اور فکری شعور کا مرکز ہے۔ وہ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اگرچہ اللہ کے بندے ہیں، لیکن ان کی رسالت اور مقام تمام مخلوقات سے بلند اور منفرد ہے، اور ان کی قیادت تمام انسانوں کے لیے راہِ ہدایت کا سرچشمہ ہے۔ ان اشعار میں یہ نکتہ بھی نمایاں ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ذات کسی مخصوص طبقے، رنگ یا مقام تک محدود نہیں، بلکہ آپ ﷺ کی رہنمائی ہر انسان کے لیے یکساں طور پر ہے۔ جو شخص بھی آپ ﷺ کے دین کو قبول کر لیتا ہے، وہ روحانی اور ایمانی لحاظ سے ایک ہی صف میں آجاتا ہے، چاہے اس کا سماجی پس منظر کچھ بھی ہو۔ اس تصور کے ذریعے شاعر مساواتِ ایمانی اور وحدتِ امت کا ایک گہرا پیغام دیتے ہیں۔ یوں دیکھا جائے تو یہ اشعار رسالتِ محمدی ﷺ کے بارے میں ایک ایسی تفسیری جہت کو ظاہر کرتے ہیں جو صرف عقلی یا فقہی سطح تک محدود نہیں رہتی بلکہ دل و روح پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اس میں عشقِ رسول ﷺ، عقیدۂ ختمِ نبوت اور نورانیتِ رسالت ایک مربوط فکری نظام کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اس طرح قاری محض نظری فہم تک محدود نہیں رہتا بلکہ ایک گہرے ایمانی، روحانی اور اخلاقی شعور سے روشناس ہوتا ہے، جو اسلامی تعلیمات کی اصل روح کو اجاگر کرتا ہے۔

آخرت اور جواب دہی کا تصور

رحمان بابا کی شاعری میں عمل اور آخرت کا تصور ایک دوسرے سے جڑے ہوا ہے۔ جو شخص اللہ کو واحد مانتا ہے، آخرت کی جوابدہی کا اقرار کرتا ہے اس کے لیے یہ ممکن نہیں رہتا کہ نفس کی غلامی میں مبتلا ہو یا پھر عمل کی کمزوری میں مبتلا ہو۔ اس لیے ان کے ہاں توحید ایک اخلاقی قوت بھی ہے جو انسان کو باطن اور ظاہر دونوں سطحوں پر پاکیزہ بناتی ہے۔ ان کے کلام میں نرمی، صبر، تواضع، اور خیر خواہی جیسے اوصاف دراصل توحید کے اخلاقی ثمرات ہیں۔ بندہ جب اللہ کو حقیقی حاکم مان لیتا ہے تو وہ دوسروں پر ظلم کرنے سے رُک جاتا ہے اور خود بھی ظلم سہنے یا کرنے سے بچتا ہے۔ رحمان بابا کی شاعری میں آخرت کا تصور اور معرفتِ الٰہی محض کلامی موضوعات نہیں بلکہ روحانی تجربات ہیں۔ ان کے عمل کا اہتمام ضروری ہے، چنانچہ وہ قوم کو اسی پر ابھارتے ہوئے لکھتے ہیں:

په عمل د نيکو بدو فهم وکړه　　　چه په دا کيگی دي بهبود دي که په دا
سر دننه په گريوان کړه ي سترگي رو نړی　　　ډير په پورته پورته مه زه سرهوا[xv]

اچھے اور برے عمل کو سمجھ اور غور کر کہ اصل بہتری کس میں ہے۔ اپنا سر جھکا کر اپنے گریبان میں دیکھ، آنکھوں سے عبرت حاصل کر۔ زیادہ اوپر اوپر اور ظاہری باتوں میں نہ پڑ، بلکہ حقیقت کو پہچان لے۔ ان کا یہ کلام قرآنِ کریم کے اس فکری و اخلاقی نظام کی عملی تفسیر ہے جو انسان کو ظاہری اعمال سے بڑھ کر باطنی اصلاح کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ سب سے پہلی جہت عملی محاسبہ (Self-

(Accountability) کی ہے۔ شاعر انسان کو اچھے اور برے اعمال میں تمیز کرنے اور ان کے نتائج پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ یہ مضمون قرآن کی اس بنیادی تعلیم سے ہم آہنگ ہے:

" فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ"[xvi]

یعنی ہر عمل، خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو، انسان کے سامنے آجائے گا۔ رحمان بابا اس قرآنی اصول کو شعری انداز میں انسان کے شعور کا حصہ بنا دیتے ہیں تاکہ وہ اپنے ہر عمل پر غور کرے کہ اس میں بہتری ہے یا خرابی۔ دوسری اہم جہت تزکیۂ نفس اور باطنی احتساب کی ہے۔ شاعر انسان کو اپنے اندر جھانکنے اور اپنی اصلاح کرنے کی تلقین کرتے ہیں۔

رحمان باب اور اخلاقی تزکیہ و اصلاحِ نفس

رحمان بابا کے ہاں محاسبۂ نفس محض ایک اخلاقی یا ظاہری عمل نہیں بلکہ ایک گہرا روحانی شعور ہے جو انسان کو اپنی ذات کے اندر جھانکنے، اپنی کمزوریوں کو پہچاننے اور مسلسل اصلاح کی طرف مائل کرتا ہے۔ ان کے نزدیک حقیقی جدوجہد انسان کی بیرونی دنیا سے زیادہ اس کے باطن میں جاری رہتی ہے، جہاں نفس کی خواہشات، ریاکاری اور خود فریبی سب سے بڑے چیلنج کے طور پر سامنے آتے ہیں۔ اسی لیے وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ انسان کی کامیابی اسی وقت ممکن ہے جب وہ اپنے نفس کا مسلسل محاسبہ کرے اور اسے پاکیزگی، اخلاص اور سچائی کی طرف لے جائے۔ ان کے درج ذیل اشعار اسی فکری و اخلاقی موقف کی واضح ترجمانی کرتے ہیں، جہاں وہ ریاکارانہ زہد اور ظاہری دینداری کی سخت مذمت کرتے ہیں:

د ريا له زاهدۍ زما توبه ده	چه ئې کاندي ثوك په رسم او په عادات
په ورځ پيدا و نصيحت وايي و بل ته	په شپه ناست وي د مغان په خرابات
دين ئې دام وي د دنيا په لار ك کي	ايخي پرې را اړوي وحشيان د مخلوقات
د هغو په لور ئې سترګي وي ختلي	چه په لاس ئې سرمايه وي يا زكات
زه رحمان له هسي خلقه پناه غواړم	هر چه لافه کړي خلاف د مقامات[xvii]

ان اشعار میں شاعر ایسے افراد کو موضوعِ تنقید بناتا ہے جو بظاہر تقویٰ، عبادت اور نصیحت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن ان کا باطن دنیا طلبی، دکھاوے اور مفاد پرستی سے آلودہ ہوتا ہے۔ وہ دن کے وقت وعظ و نصیحت کرتے ہیں، مگر رات کے وقت ان کا طرزِ عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ اس دوغلے پن کو شاعر شدید اخلاقی انحطاط کے طور پر پیش کرتا ہے، جو دین کی حقیقی روح کے منافی ہے۔ رحمان بابا کے نزدیک اصل دینداری وہ ہے جو اخلاص، سچائی اور باطنی پاکیزگی پر قائم ہو، نہ کہ محض ظاہری رسوم و عادات پر۔ وہ اس بات کو بھی نمایاں کرتے ہیں کہ بعض لوگ دین کو دنیاوی مفادات حاصل کرنے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں، اور لوگوں کی نگاہوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے مذہب کا لبادہ اوڑھ لیتے ہیں۔ یوں ان کا یہ کلام قاری کے اندر ایک مضبوط اخلاقی شعور پیدا کرتا ہے کہ اصل امتحان انسان کا اپنے نفس

کے ساتھ ہے، اور حقیقی دینداری وہی ہے جو ظاہر و باطن کی یکسانی اور اخلاص پر قائم ہو۔ اس طرح محاسبۂ نفس کا یہ تصور نہ صرف ایک اخلاقی درس دیتا ہے بلکہ انسان کو ایک مسلسل روحانی ارتقاء کی طرف بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اسلوبِ تعبیر: فنی و فکری جائزہ

رحمان بابا کے کلام کی ایک نمایاں خصوصیت اس کا منفرد اسلوبِ تعبیر ہے، جس میں فنی حسن اور فکری گہرائی باہم یکجا نظر آتے ہیں۔ ان کی شاعری محض الفاظ کی ترتیب نہیں بلکہ ایک ایسا روحانی و فکری نظام ہے جو قاری کے ذہن اور دل دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس اسلوب میں قرآنی مفاہیم، صوفیانہ تجربات اور انسانی احساسات ایک مربوط شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

علامت، استعارہ اور تمثیل

رحمان بابا کے اسلوب کی بنیاد علامتی اور استعاراتی زبان پر قائم ہے۔ وہ ظاہری مظاہر کو باطنی حقائق کی طرف رہنمائی کے لیے استعمال کرتے ہیں۔ فطرت کے مناظر، انسانی رویے اور روزمرہ زندگی کے تجربات ان کے ہاں علامت بن کر گہرے معنوی پیغامات کی ترسیل کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ان کے کلام میں استعارہ محض ادبی آرائش نہیں بلکہ فکری اظہار کا بنیادی وسیلہ ہے۔ وہ عشقِ الٰہی، نفس کی اصلاح، دنیا کی ناپائیداری اور توحید جیسے تصورات کو تمثیلی انداز میں بیان کرتے ہیں، جس سے قاری براہِ راست فکری استدلال کے بجائے ایک وجدانی کیفیت کے ذریعے معنی تک پہنچتا ہے۔ اس طرح علامت اور تمثیل ان کے ہاں قرآنی مفاہیم کی توضیح کا ایک مؤثر ذریعہ بن جاتے ہیں۔

سادہ زبان اور گہرا مفہوم

رحمان بابا کی شاعری کی ایک اور اہم خصوصیت اس کی سادہ اور عام فہم زبان ہے۔ وہ پیچیدہ فلسفیانہ یا علمی اصطلاحات کے بجائے روزمرہ زبان کو استعمال کرتے ہیں، لیکن اس سادگی کے اندر معنوی گہرائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ ان کے اشعار بظاہر نہایت آسان محسوس ہوتے ہیں، مگر ان کے اندر فکر و شعور کی کئی پرتیں موجود ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام ایک عام قاری کے لیے بھی قابلِ فہم ہے اور اہلِ علم کے لیے بھی غور و فکر کا ذریعہ۔ اس سادہ اسلوب کے ذریعے وہ قرآنی تعلیمات کو اس انداز میں پیش کرتے ہیں کہ وہ دل میں اتر جاتی ہیں اور محض فکری سطح تک محدود نہیں رہتیں۔ رحمان بابا کے اسلوب کی ایک نہایت اہم جہت تجرباتی تعبیر ہے، جس میں وہ دینی اور روحانی حقائق کو محض نظریاتی سطح پر بیان کرنے کے بجائے ذاتی تجربے اور باطنی کیفیت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ ان کی شاعری میں علم، عمل اور احساس ایک دوسرے میں مدغم ہو جاتے ہیں۔ اس تجرباتی اسلوب کے ذریعے قاری کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ایمان اور روحانیت کوئی مجرد تصور نہیں بلکہ ایک زندہ تجربہ ہے جو انسان کے اندرونی وجود کو بدل دیتا ہے۔ ان کے کلام میں محبتِ الٰہی، خوفِ خدا، توکل اور تزکیۂ نفس جیسے موضوعات ایک عملی اور محسوس کیفیت کے طور پر سامنے آتے ہیں، نہ کہ صرف نظری بحث کے طور پر۔ یوں رحمان بابا کا اسلوبِ تعبیر فنی حسن، فکری گہرائی اور روحانی تجربے کا ایک ایسا امتزاج پیش کرتا ہے جو ان کے کلام کو نہ صرف ادبی اعتبار سے ممتاز بناتا ہے بلکہ اسے قرآنی مفاہیم کی ایک مؤثر اور زندہ تعبیر بھی قرار دیتا ہے۔

نتائج(Conclusion)

درج بالا تحقیق سے یہ واضح ہوتا ہے کہ رحمان بابا کا کلام محض ایک صوفیانہ ادبی اظہار نہیں بلکہ قرآنی مفاہیم کی ایک گہری، بامعنی اور فکری تعبیر ہے۔ ان کی شاعری میں قرآنی تعلیمات مختلف فکری، اخلاقی اور روحانی جہات کے ساتھ اس طرح ہم آہنگ ہو جاتی ہیں کہ وہ ایک مربوط تعبیراتی نظام کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ان کے ہاں توحید، رسالت، اخلاقی تزکیہ، محاسبۂ نفس اور عشقِ الٰہی جیسے بنیادی قرآنی تصورات نہ صرف موجود ہیں بلکہ ایک وجدانی اور تجرباتی اسلوب میں قاری کے دل و دماغ میں راسخ ہو جاتے ہیں۔ اس تحقیق سے یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ رحمان بابا کے کلام میں قرآنی ہرمنیوٹکس کی ایک منفرد صوفیانہ صورت پائی جاتی ہے، جس میں ظاہری تفسیر کے ساتھ باطنی تاویل بھی شامل ہے۔ ان کا اسلوبِ تعبیر علامت، استعارہ اور سادہ زبان کے امتزاج پر قائم ہے، جو قرآنی پیغام کو عام فہم اور اثرانگیز بنا دیتا ہے۔ مزید یہ کہ ان کی شاعری میں قرآنی تعلیمات کو ایک تجرباتی (experiential) کیفیت کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جس سے ایمان ایک زندہ روحانی تجربہ بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ، ان کا کلام ریاکاری، اخلاقی انحطاط اور نفس کی غلامی کے خلاف ایک مضبوط فکری و اخلاقی موقف بھی فراہم کرتا ہے۔

علمی و تحقیقی اہمیت

یہ تحقیق اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ پشتو صوفی ادب کو قرآنی ہرمنیوٹکس کے تناظر میں سمجھنے کی ایک نئی جہت فراہم کرتا ہے۔ اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ مقامی ادبی روایات، خصوصاً صوفی شاعری، قرآنی تعبیر کے علمی دائرے کو وسعت دینے میں اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ تحقیق نہ صرف اسلامی فکری روایت میں صوفیانہ ادب کی اہمیت کو اجاگر کرتی ہے بلکہ یہ بھی واضح کرتی ہے کہ قرآن کی تفہیم صرف کلاسیکی تفسیری متون تک محدود نہیں بلکہ مختلف لسانی، ثقافتی اور ادبی قالبوں میں بھی اس کی گہری جھلک موجود ہے۔ یوں یہ مقالہ قرآنی علوم، صوفیانہ ادب اور ثقافتی مطالعات کے درمیان ایک اہم فکری ربط قائم کرتا ہے، جو آئندہ تحقیق کے لیے نئے امکانات اور جہات کو روشن کرتا ہے۔

مصادر و مراجع

[i] محمد ہوتک بن داؤد، پٹہ خزانہ، گنج مخفی، طبع سوم، کابل، حکومت افغانستان، 1354ھ، ص45

[ii] دوست محمد مہمند، رحمان بابا، طبع اول، پشاور ادارہ اشاعت سرحد، 1958، ص10

[iii] سرفراز خٹک، رحمان بابا، شاہین برقی پریس پشاور، طبع اول، 1959ء، ص48

[iv] سید انوار الحق، حدیقہ خٹک، طبع اول پشاور یونیورسٹی بک ایجنسی، جنوری 1969ء، ص193

[v] زرقانی، محمد عبد العظیم الزرقاني، مناهل العرفان في علوم القرآن، محقق: فواز أحمد زمرلي، دار النشر: دار الكتاب العربي، بيروت، طبع اول: 1415ھ-1995م، ج2، ص12

vi حکمت بن بشیر بن یاسین، موسوعة الصحیح المسبور من التفسیر بالمأثور، ناشر: دار المآثر للنشر والتوزیع والطباعة-المدینة النبویة، طبع اول،1420ھ-1999م، ج1، ص 28

vii ماتریدی، محمد بن محمد بن محمود، أبو منصور، تفسیر الماتریدي (تأویلات أهل السنة) محقق: د. مجدي باسلوم، ناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت، لبنان، طبع اول،1426ھ-2005م، 1ص284

viii سیوطی، عبد الرحمن بن أبي بکر، جلال الدین، الإتقان في علوم القرآن، محقق: محمد أبو الفضل إبراهیم، ناشر: الهیئة المصریة العامة للکتاب، الطبعة:1394ھ/1974م ،ج4ص220

ix عبد الکریم القشیری، لطائف الإشارات، بیروت: دار الکتب العلمیة، ج1، ص12

x عبد الرؤف بینوا، داعبد الرحمٰن بابا دیوان، طبع اول1948، ص23

xi الانبیاء:11:42

xii عبد الرؤف بینوا، داعبد الرحمٰن بابا دیوان، طبع اول1948، ص24

xiii سر فراز خان خٹک، رحمان بابا، شاہین برقی پریس پشاور، طبع اول1959ء، ص23

xiv سید رسول رسا، دیوان عبد الرحمٰن بابا، طبع اول1979، ص8

xv عبد الرحمٰن بابا، دیوان عبد الرحمٰن، حمزہ شنواری، پشتو اکیڈمی پشاور، طبع اول، 1963ء، ص8

xvi الزلزال:8:99

xvii عبد الرؤف بینوا، داعبد الرحمٰن بابا دیوان، طبع اول1948، ص3